بیان سیرت میں بائبل سے اخذ و استفادہ کے اثرات

سیدہ مریم شاہ *

ڈاکٹر سیدہ سعدیہ *

From the epoch of Hazrat Muhammad SAW to the nineteen century , the form and the curriculum of all the books of Seerat whether in Arabic, Persian ,Urdu or some other language, is more or less identical with a little difference or exception. Not only does Nineteenth century holds many revolutions in it, but it has also given a new in this century Seerat Writing emerged into a new trend, form and methodology leaving aside its tradition of derivation and benefiting from Bible in Urdu books of Seerat . This period was highly sensitive and intricate of the Muslim of the Sub –Continent in many aspects. On the one hand due to the colonial regime of the English people , whereas on the other hand Christian missionaries and Orientalists spoke ill of Islam and our Prophet SAW ,due to which ,these Christian missionaries have left no stone unturned in alienating Muslims from Islam through their deliberate and disciplined attempts ,conjuring a skeptical mind regarding Hazrat Muhammad SAW, so much so they tried to promote westernization in almost all the spheres of life . To combat these circumstances, there emerged a group of people in the Sub-Continent who adopted a defensive method to the reaction of these offences. This endeavor began a tradition of 'Derivation and Benefiting from the Bible in Urdu Books of Seerat' in the Sub- Continent. Sir Syed Ahmad Khan , in the Sub- Continent, introduced the trend of derivation and benefiting from the Bible in Urdu Books by writing Khutabat e Ahmadia. Urdu Seerat writers quoted the Bible as a source in explaining events of Seerat and at some other places, strengthened this form by presenting a comparison of the narratives of the Bible with Islam . In the description of Seerat, where the cropped up the direct effect on the Seerat and religious literature by the trend of derivation and benefiting from the Bible, there also appeared effect on the word, in general . Due to this tradition , where modernity paved the way, Muslim scholars did a lot against the Westernization diligently for the sake of righteousness and veracity of Prophet Muhammad SAW and Islam. In the paper, we will analyze the effects which have been cast on the religious literature and the world in general that were emerged in the process of benefiting and derivation in Seerat from the Bible.

قرآن کریم جو سیرت مصطفیٰ ﷺ کا اولین ماخذ ہے اس کے نزول کے روز اول سے ہی صحابہ کرام اپنے آقا دو جہاں، محسن کائنات نبی محترم ﷺ کے اوصاف باکمال اور جمال بے مثال کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہے ہیں کبھی یہ سیرت نگاری حسان بن ثابت کے اشعار باکمال کا روپ دھارتی ہے تو کبھی صحابہ خود آپ ﷺ کی سیرت کا چلتا پھرتا نمونہ بننے میں کوشاں رہتے ہیں۔

* پی ایچ ڈی سکالر، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور۔

* جز وقتی لیکچرر، شیخ زائد اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب، لاہور۔

گویا سیرت نگاری نظم و عمل کی صورت میں عہد نبوی ﷺ سے شروع ہوتی ہے۔ بعد میں ملاحم ومغازی، شمائل وفضائل پر ہزاروں کتب منصہ شہود پر آئیں اور ہزاروں افراد نے سیرت مصطفیٰ ﷺ کے جواہر ریزوں کو اکٹھا کرنے میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں کیونکہ ایمان کی کاملیت اور اخروی نجات وشفاعت کے لیے آپ ﷺ سے اظہار محبت وعقیدت اولین ذریعہ ہے۔

عہد نبوی ﷺ سے لے کر انیسویں صدی تک کتب سیرت چاہے عربی، فارسی، اردو یا کسی دوسری زبان میں لکھی گئیں کم وبیش تمام کا اسلوب و منہج تھوڑے بہت فرق سے کافی حد تک ایک دوسرے سے ملتا تھا۔

انیسویں صدی جہاں بہت سے انقلابات کو اپنے دامن میں سموئے ہے وہاں سیرت نگاری نے بھی ایک نیا جنم لیا۔ اب سیرت نگاری اپنے روایتی انداز سے ہٹ کر ایک نئے رجحان، اسلوب و منہج سے ہم آہنگ ہوئی۔

برصغیر میں کتب سیرت میں بائبل سے اخذ واستفادہ کی روایت کا آغاز:

نو آبادیاتی دور (انیسویں صدی) میں اردو کتب سیرت میں بائبل سے اخذ واستفادہ کی روایت کا آغاز ہوا۔ یہ دور مسلمانان برصغیر کے لیے نہایت نازک اور پیچیدہ دور تھا۔ ایک تو انگریزوں کی نو آبادی ہونے کی وجہ سے دوسرے عیسائی مشنریز اور مستشرقین کی اسلام اور پیغمبر پر ہرزہ سرائی کے باعث ان عیسائی مشنریز نے باقاعدہ اور منظم انداز میں اپنی حکومت کے جھنڈے تلے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے، اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں متشکک الذہن بنانے نیز برصغیر میں اپنے قدم مضبوطی سے جمانے اور مغربیت کو پروان چڑھانے کے لیے اسلام اور حضور الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس پر حملے کر کے مسلمانوں کے ایمان کو متزلزل کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

ان حالات سے نمٹنے کے لیے برصغیر پاک وہند میں ایک ایسے گروہ نے جنم لیا جس نے ان حملوں کے رد عمل میں مدافعتی طریقہ کار اپنایا۔ یوں برصغیر میں 'اردو کتب سیرت میں بائبل سے اخذ واستفادہ' کی روایت کا آغاز ہوا۔ برصغیر میں اس منفرد رجحان کو متعارف کروانے کا سہرا سرسید احمد خان کے سر ہے۔ جس سے دین اسلام کے کئی امور میں تشکیک پیدا ہوئی اور ان کے متزلزل نظریات سے متاثر ہو کر مسلمانوں ہی میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنہوں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مغربی فکر کو پروان چڑھایا۔
مستشرقین کے براہ راست اسلام پر حملوں سے زیادہ یہ طریقہ خطرناک ثابت ہوا کیونکہ تجدد پسندی کی

آڑ میں اس سے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کی جارہی تھیں اس سارے پس منظر میں برصغیر میں ایسے علمائے سیرت سامنے آئے جنہوں نے کتب سیرت میں سرسید کے متعارف کردہ بائبل سے اخذ واستفادہ کر اسلوب سے رہنمائی تولی لیکن مستشرقین کے اسلام اور آنحضرت ﷺ کی ذات پر عائد کردہ الزامات کارد مناظرانہ والزامی طریقہ سے کیا۔ اردو کتب سیرت میں بائبل سے استفادہ کی روایت کا آغاز تو انیسویں صدی میں ہوا لیکن یہ رجحان ارتقائی منازل طے کرتا ہوا آج نقطہ عروج کو پہنچ گیا ہے۔ مسلم سیرت نگار جہاں پہلے کتب سیرت میں بائبل کو بطور تصدیقی مآخذ استعمال کرنے سے گریز کرتے تھے اب جرأت مندی کے ساتھ اس سے استفادہ کرنے لگے۔ بیان سیرت میں بائبل سے استفادہ کا اصل مقصد دین اسلام اور آنحضور ﷺ کی ذات اطہر کے خلاف مستشرقین کی مذموم کاروائیوں کو روکنا ہے اور سیرت نگار یہ فریضہ بخوبی سرانجام دے رہے ہیں۔

سیرت نگاری میں بائبل کی روایات سے اخذ واستفادہ کے اصول:

علمائے سیرت نے اپنی کتب میں بائبل کی روایات سے جہاں بھی استدلال کیا تنقیح وتوضیح کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا اور رطب ویابس جمع کرنے سے حتی الامکان گریز کیا۔ سیرت نگاروں نے بالعموم بائبل کی ان روایات کا اندراج اپنی کتب میں کیا جو حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت ونبوت کی تصدیق کرنے والی تھیں۔ ابراہیم میر سیالکوٹی کتب سابقہ میں آنجناب ﷺ کی مبشرات کی علامات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کتب سابقہ میں آپ ﷺ مولد، آپ ﷺ کا وطن ومسکن، آپ ﷺ کا لہجہ، آپ ﷺ کی جنگی اور اسلامی کارنامے، آپ ﷺ کے معجزات وبرکات، آپ ﷺ کے صحابہ کرام کی نمایاں علامات ونشانات غرض سب کچھ نہایت وضاحت سے ان کتب میں مذکور ہے اور باوجود عہد بہ عہد کی تحریفات لفظیہ ومعنویہ کے ان جوہر ریزوں پر پردہ نہ پڑسکا اور آپ ﷺ کے معجزات ظہور قدسی نے ان تحریفات کی ظلمتوں کو دور کردیا۔" (1)

اس کے علاوہ "اگر ان دعوؤں کے انکار کی یہود ونصاریٰ کے لیے کوئی گنجائش ہوتی تو بغیر ایک لمحہ کے توقف کے سبھی یہود ونصاریٰ نبی عربی ﷺ کے پاس دوڑ کر آتے اور چیلنج دیتے کہ یہ ہے تورات و انجیل دکھلاؤ کہاں تمہارا ذکر ہے اور اہل اسلام کو لاجواب کرنے کا سنہری موقعہ ہاتھ آجاتا لیکن علماء وفضلا اور تورات وانجیل کے مدرس ومفسر اس نبی امی ﷺ کے دعویٰ کو جھٹلا نہ سکے بلکہ حضرت عبد اللہ

بن سلام اور حضرت کعب الاحبار وغیرہ خوش بخت لوگوں کی شہادت نے حضور ﷺ کی حقانیت و صداقت کو واضح کر دیا۔" (2)

بیان سیرت میں بائبل سے استفادہ کو سیرت نگاری کا اہم اصول قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر صلاح الدین ثانی صاحب لکھتے ہیں:

"اسلام دنیا میں کا آخری مذہب ہے لیکن اس مذہب اور مذہبی پیغمبر کا تذکرہ پچھلے تمام انبیاء نے کیا۔ آغاز اسلام میں دیگر مذاہب کے بعض علماء اپنی کتب میں ہمارے پیغمبر کی نشانیاں مطالعہ کر کے دائرہ اسلام سے میں شامل ہوئے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی سچی نشانیاں صرف کتب سماویہ ہی میں نہیں بلکہ بعض مذاہب کی کتب میں بھی ہیں۔ سیرت نگار مستشرقین و مخالفین کے خلاف بطور الزام یا اسلام کی تائید کے لئے ان کتب سے استفادہ کر کے اسلام اور سیرت کو بہتر اور مدلل انداز میں پیش کر سکتا ہے۔" (3)

سیرت لٹریچر پر اثرات

برصغیر کی اردو کتب سیرت میں بائبل سے استفادہ کا رجحان سر سید احمد خان نے خطبات احمدیہ لکھ کر متعارف کروایا۔ اردو سیرت نگاروں نے کہیں واقعات سیرت کی تائید و تصدیق کے لیے بطور مآخذ بائبل کا استعمال کیا اور کہیں بائبل کی روایات کا اسلام سے تقابل پیش کر کے اس اسلوب کو تقویت بخشی۔ بیان سیرت میں بائبل سے اخذ و استفادہ کے رجحان سے جہاں براہ راست سیرت لٹریچر اور دینی ادب پر اثرات سامنے آئے۔ وہاں عمومی علمی دنیا پر بھی اثرات سامنے آئے۔ اس روایت سے جہاں جدت پسندی کو فروغ ملا وہاں مسلمان علما اسلام اور پیغمبر اسلام کی حقانیت و صداقت کے لیے مغربیت کے خلاف بر سر پیکار نظر آئے۔ یہاں ہم ان اثرات کا جائزہ لیں گے جو بیان سیرت میں بائبل سے اخذ و استفادہ کی وجہ سے دینی ادب اور عمومی علمی دنیا پر مرتب ہوئے۔

بائبل سے استدلال کا آغاز:

بیان سیرت میں بائبل سے اخذ واستفادہ کا سب سے پہلا اثر بذات خود سیرت لٹریچر پر ہی ہوا۔ سیرت نگاری میں ایک جدید اسلوب متعارف ہوا اور بیان سیرت میں قرآن کے ساتھ ساتھ بائبل کی روایات سے استدلال کی روایات کا آغاز ہوا۔ متقدمین علمائے سیرت عمومی طور پر بنیادی مصادر سیرت،

قرآن، حدیث، اقوال صحابہ و تابعین وغیرہ سے ہی رجوع کیا کرتے تھے یا بعض علما مثلاً طبری اور ابن کثیر نے اسرائیلی روایات سے بھی استفادہ کیا لیکن دور جدید کے علمانے واقعات سیرت کی تائید میں قرآن وحدیث کے علاوہ بائبل کو بھی بطور ماخذ سیرت استعمال کیا۔ اور خصوصی طور پر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بعثت و نبوت کی پیشین گوئیوں پر بائبل کی روایات سے استدلال کیا اور ثابت کیا کہ سابقہ انبیاء بھی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ظہور اقدس کی بشارت اپنی امتوں کو دیتے رہے تھے۔

مثلاً حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بارے میں تورات کی بشارت:

"خداوند تیرا خدا، تیرے لیے، تیرے ہی درمیان میں سے، یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔"(4)

اسی طرح اناجیل کی روایات:

"اور یسوع تمام گلیل میں پھرتا رہا اور ان کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا رہا اور بادشاہی کی خوش خبری کی منادی کرتا رہا۔"(5)

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔"(6)

سرسید احمد خان، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، قاضی سید سلیمان منصور پوری، عبدالستار غوری صاحب اور اسی طرح دیگر علمائے سیرت نے اپنی کتب میں جہاں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بشارت بزبان عیسیٰ قرآن سے بیان کی ہے:

﴿يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾ وہاں بائبل کی اور مذکورہ بالا اور اس طرح کی دیگر پیشین گوئیوں سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ بعثت و نبوت کے واقعات کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی کتب میں بائبل سے استدلال کیا گیا۔ گویا اس طرح سے اردو سیرت نگاری میں بائبل سے استدلال کو رواج ملا۔

تقابلی مطالعہ کی روایات:

مصادر سیرت میں بائبل کے بطور ماخذ اضافے کے ساتھ کتب سیرت پر ایک یہ اثر بھی مرتب ہوا کہ سیرت نگاروں نے سیرت کی کتب کو تقابلی انداز میں لکھنا شروع کیا اس سلسلہ میں خاص طور پر نام قاضی سلیمان منصور پوری صاحب کا آتا ہے۔ جنہوں نے رحمۃ للعالمین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تقابلی انداز میں لکھی اور سیرت کے واقعات کا بائبل میں درج واقعات کے ساتھ نہایت عمدہ تقابل پیش کیا۔ خصوصاً رحمۃ

للعالمین ﷺ کی دوسری جلد میں، قرآن میں مذکور انبیاء کرام کے حالات واقعات کا بائبل میں درج واقعات سے تقابل پیش کیا۔ اسی طرح اناجیل کی روایات میں باہم اختلاف کی وضاحت بھی کی مثلاً:
"حضرت عیسیٰ کے نسب نامہ کے بیان میں انجیل متی اور انجیل لوقا کے باہم متضاد و متفرق بیانات کو صراحت کے ساتھ بیان کیا۔"(8)

اور اناجیل میں موجود تناقصات کی نشان دہی بھی کی مثلاً قصہ حضرت آدم کے بارے میں منصور پوری صاحب قرآن اور بائبل سے یوں تقابل کرتے ہیں:

"بائبل کی کتاب پیدائش کے باب 2۔3 میں آدم کی پیدائش، باغ عدن کا قیام، درخت تمیز سے پھل کھانے اور باغ سے نکالے جانے کا ذکر ہے۔ کتاب پیدائش کے باب 3 آیت 17 میں بھی ہے کہ "زمین تیرے سبب ہوئی"۔ تمام بائبل میں کہیں مذکور نہیں ہے کہ حضرت آدم کے اس گناہ کی معافی بھی ہو گئی تھی۔ لیکن قرآن مجید نے آدم کے جن فضائل کا ذکر کیا ہے اور جن سے بائبل خاموش ہے وہ یہ ہیں:

1۔ کہ پھل کھاتے وقت آدم اللہ پاک کے حکم کو بھول گئے تھے۔ ﴿ وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ ﴾(9)

2۔ آدم کی نیت خلاف حکم کرنے کا ارادہ شامل نہ تھا۔ ﴿وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۝۱۱۵﴾(10)

3۔ رب کریم نے ان کی اس حرکت کو بخش دیا تھا اور آئندہ انہیں بہترین راہ کی ہدایت بھی کر دی تھی اور آدم کو اپنی درگاہ کا برگزیدہ بھی بنالیا تھا۔ ﴿ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى ۝۱۲۲﴾(11)

4۔ آدم پر کلام الٰہی بھی نازل ہوا تھا: ﴿ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ ﴾(12)

یہ ظاہر ہے کہ اگر نسل انسانی کے پدر اعظم کو اس فضیلت سے عاری کر دیا جائے تو اس میں کوئی بھی فضیلت نہیں رہ جاتی۔

قرآن مجید حضرت آدم کے متعلق جس بات میں چپ ہے اور بائبل اسے بیان کرتی ہے وہ یہ فقرہ ہے "خدا نے آدم کو پیدا کیا۔ خدا کی صورت میں اسے بنایا۔"(13)

یہی مطلب اسی کتاب کے باب 1، آیت 26 میں ان الفاظ میں ہے: "تب خدا نے کہا کہ ہم انسان

کو اپنی صورت اور اپنی مانند بنادیں۔"

میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس فقرہ کے بعد کیوں کر کوئی اہل کتاب خدا کے جسم اور جسمانیت سے انکار کر سکتا ہے اور کیوں کر خدا کو محدود ہونے سے بری ٹھہرا سکتا ہے اور کیوں کر خدا کا تصور انسان سے بالاتر ہونے کا دوسرے کو دلا سکتا ہے۔ بے شک قرآن مجید نے اس فقرہ کو چھوڑ دینے سے ثابت کر دیا کہ تقدیس و تنزیہہ زبانی کی جو تعلیم قرآن مجید میں ہے وہ سب سے اعلیٰ ہے۔[14]

اجمال کی تفصیل:

بیان سیرت میں بائبل سے استفادہ کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ کتب سیرت میں بعض واقعات جو اختصار یا اجمال کے ساتھ مذکور تھے بعد کے علماء نے اپنی کتب میں ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنا شروع کیا۔ مثلاً اگر حضرت اسماعیل کا عرب میں آکر آباد ہونا ایک دو سطور میں متقدمین علماء نے بیان کیا تو متاخرین علماء نے اپنی کتب سیرت میں بائبل کی روایات سے اس واقعہ کو پوری تصدیق اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور نسل اسماعیل کے عرب میں آباد ہونے پر ثبوت پیش کرنے کے ساتھ مغربی علما کے حضرت اسماعیل کے عرب میں آباد ہونے سے انکار پر رڈ میں دلائل بھی دیے۔

دیگر کتب مقدسہ سے تقابل:

علمائے سیرت نے جہاں روایات بائبل سے بیان سیرت میں اخذ و استفادہ کے رجحان کو فروغ دیا وہاں پر دیگر ادیان سے اسلام کا تقابل بھی پیش کیا جانے لگا۔ عقائد، عبادات، اخلاقیات، معاملات اور دیگر امور میں یہودیت وعیسائیت کے علاوہ دیگر غیر سامی ادیان کا اسلام سے تقابل کا طریقہ مروج ہوا۔ روزہ، حج، نکاح، طلاق اور دیگر معاملات کی یہودیت وعیسائیت میں کیا شرائط تھیں اور اسلام نے اس بارے میں کیا حکم دیا۔ اس بارے میں تفصیلی بحثیں کتب سیرت کا حصہ بنیں۔ سامی اور غیر سامی مذاہب کے مطالعہ اور دیگر مذاہب پر اسلام کی صداقت ثابت کرنے کو فروغ ملا۔

الزامی استدلال کی روایت:

مستشرقین نے جب اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات اطہر پر الزامی حملے شروع کیے تو مسلمانوں نے ان کے باطل نظریات وافکار کا رد ان کی اپنی کتب مقدسہ کی رو سے ہی پیش کرنے کا بھی اہتمام کیا۔ عیسائیوں کا جو طعن آنحضرت ﷺ پر بابت کثرت ازواج اور اسلام پر بابت اجازت تعدد

ازواج اور اجازت طلاق کے ہے اس کی تردید میں ہمارے علمانے الزامی استدلال سے کام لیا ہے اور بلاشبہ اگر عیسائی اپنے مذہب کے اصلی اصول کے پابند ہوں تو یہ جواب ان کے لیے کافی ووافی ہے۔

سرسید احمد خان اور اخلاف کے علما میں سے پیر کرم شاہ الازہری نے تورات کے حوالوں سے نہایت تصریح کے ساتھ حضرت ابراہیم کے تین نکاح، حضرت یعقوب کے چار نکاح، حضرت موسیٰ کے دو نکاح، حضرت داؤد کی نوے سے زیادہ بیویاں جن میں سے بعض منکوحہ اور بعض غیر منکوحہ اور حضرت سلیمان کی ایک ہزار بیویاں اور بعض انبیاء کی کثرت ازواج کو ثابت کیا ہے۔ اس طرح طلاق کے طعن پر تورات سے جس کے احکام کو عیسائی منسوخ نہیں مانتے ثابت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے جواز طلاق کا حکم دیا ہے۔ نیز دلیل عقلی یا نقلی بائبل سے بھی اس باب پر قائم نہیں ہے کہ جو بہت سی بیویاں کرے وہ نبی نہیں ہو سکتا یا خدا تعالیٰ کسی نبی کو بہت سی بیویاں کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور طلاق کی نسبت یہ لکھا ہے کہ اگرچہ انجیل میں طلاق کو منع کیا گیا ہے مگر تورات میں اجازت دی گئی ہے اور عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ تورات وانجیل آپس میں متحد ہیں، ناسخ ومنسوخ نہیں۔[(15)]

مغربی مفکرین نے اسلام کے تلوار کے زور پر پھیلنے یا جہاد کے حوالے سے بھی الزام تراشیاں کیں۔ اگرچہ ان الزامات کے جوابات بھی ہمارے علماء نے دیے ہیں۔ جو مسلمانوں کی تسلی کے لیے اور عیسائی اپنے مذہبی اصول کے پابند ہوں تو ان کے ساکت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

بائبل بطور موضوع تحقیق:

بائبل تحریفات وتغیرات کی آماجگاہ ہے۔ ہمارے مسلمان علماء نے اس سے بے اعتنائی روا رکھی۔ برصغیر کے مسلمان علما میں بائبل سے استفادہ اختلافی رہا ہے۔ لیکن فریق مخالف کا رد پیش کرنے کے لیے بائبل سے استفادہ ضروری تھا۔ جو اسلام میں کیڑے نکالتے ہیں ان کے لیے ان کی اپنی مقدس کتاب بائبل سے جواب دینا لازمی تھا۔ انیسویں صدی کے مسلمان علمانے بائبل کی روایات سے ہی مستشرقین کے دین اسلام اور آنحضرت ﷺ کی ذات پر کیے گئے حملوں کی جوابی کاروائی کی۔ اسی طرح بیان سیرت میں بائبل سے استفادہ کا اثر یہ ہوا کہ ایک تو مسلمانوں میں محمد ﷺ پر شعوری ایمان مضبوط ہوا اور آپ ﷺ کی نبوت کی ایک محکم دلیل سے آشنائی ہوئی۔ دوسرا بائبل پر تحقیق ومطالعہ کا ذوق پروان چڑھا۔ اب تک ہمارے علمانے اس کی طرف بہت کم اعتنا فرمایا ہے لیکن Globalization کے اس دور میں یہ مسلمانوں کی ایک اہم ضرورت ہے۔ ارباب علم وتحقیق کے سامنے اب تک فراموش

کردہ لیکن نہایت اہم میدان کھلا ہے اور مسلمان علماء میں اس میدان میں کام کرنے کا جذبہ بیدار ہوا ہے۔ یہ ایک مثبت رجحان ہے بائبل کے تناقصات کو سامنے لایا جارہا ہے اور بائبل کی روایات پر علماء اپنی تحقیق پیش کرتے رہے ہیں۔ ان علما میں عبد الستار غوری صاحب کا نام قابل ذکر ہے ان کی تحقیق کا بنیادی میدان ہی بائبل ہے۔ بائبل پر ریسرچ سے متعلقہ آپ کی کافی کتب انگریزی میں شائع ہو چکی ہیں: جن میں "Muhammad Foretold in the Bible By name" قابل ذکر ہے۔ اسی طرح ان کی اردو میں کتاب" محمد رسول ﷺ کے بارے میں چند پیشین گوئیاں بھی موجود ہے۔" بائبل میں تحقیق کو صرف حضور ﷺ کی پیش گوئیوں تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ دیگر میدانوں میں بھی بائبل پر ریسرچ پیش کی جارہی ہے۔ بائبل کی استنادی حیثیت، اس کی تحریفات کے ثبوت پر جہاں مولانا مودودی اور پروفیسر ساجد حفظہ اللہ اور دیگر علمانے اپنی تحقیقات پیش کی ہیں وہاں قرآن اور بائبل کے مشترکہ امور پر بھی تصنیفات سامنے آرہی ہیں۔ مثلاً فدا حسین شاہ صاحب کی قرآن اور بائبل کے متفقہ فیصلے، محترم فضل الٰہی کی بائبل اور قرآن کی مشترکہ باتیں، نازش شہزاد کی عظمت اسلام فی القرآن و بائبل، اس کی چند مثالیں ہیں۔ نیز مختلف جامعات میں ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی لیول (level) پر بائبل کے حوالہ سے تحقیقات پیش کی جارہی ہیں۔

مذاہب عالم کے تقابلی مطالعہ:

انیسویں صدی عیسوی کی ان رجحان ساز کتب سیرت (جن میں بائبل سے استفادہ کیا گیا ہے) سے مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ کرنے کا رواج بھی متعارف ہوا۔ علمائے اسلام کی تحقیق جہاں صرف اسلامی عقائد، عبادات، معاملات معاشرت تک ہی محدود تھی وہاں اب دیگر سامی و غیر سامی مذاہب کے مطالعہ کا بھی آغاز ہوا۔

یہودیت، عیسائیت، ہندومت، زرتشت، بدھ مت اور دیگر مذاہب عالم کے عقائد، عبادات، معاملات، رسوم ورواج سے آگاہی کے بعد ان تمام سامی و غیر سامی ادیان کا اسلام کے ساتھ تقابل پیش کیا جانے لگا۔ اسلام کی حقانیت کے ثبوت کے لیے یہ ایک دلکش اسلوب سامنے آیا۔ مذاہب عالم کے تقابلی مطالعہ کے موضوع پر انگریزی، عربی اور اردو زبان میں بے شمار کتب لکھی گئی اور تسلسل کے ساتھ لکھی جارہی ہیں مثلاً: احمد شلبی کی مقارنۃ الادیان، عبد القادر شیبۃ الحمد کی اقوام عالم کے ادیان مذاہب، جو عربی میں لکھی گئی۔ اردو میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ اسی طرح مولانا محسن عثمانی کی مطالعہ مذاہب، غلام رسول

چیمہ کی مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، محمد یوسف خان کی تقابل ادیان، مظہر الدین صدیقی کی اسلام اور مذاہب عالم، محمد اکرم رانا کی بین الاقوامی مذاہب وغیرہ اس کی چند مثالیں ہیں۔ نیز عہد حاضر میں مغربی دنیا سے درپیش فکری چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی ضرورت کے پیش نظر 'تقابل ادیان' کو بطور مضمون ایم۔ اے اسلامیات کے نصاب میں شامل کرکے مختلف جامعات میں پڑھایا جارہا ہے۔

اردو مجلات ورسائل میں سیرت نگاری اور بائبل سے استفادہ:

کتب سیرت میں بائبل سے اخذ واستفادہ کے رجحان کا ایک یہ اثر ہوا کہ تحقیقی مجلات اور عام رسائل وجرائد میں بھی سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر ایسے مضامین لکھے جانے لگے جن میں بائبل سے استفادہ کو فروغ دیا گیا۔ یہ مضامین خصوصاً حضور ﷺ کی کتب مقدسہ میں موجود پیشین گوئیوں پر مشتمل ہیں۔ قرآن وحدیث اور دیگر مصادر شریعت کے ساتھ ساتھ بائبل سے استفادہ کو بھی مجلات نے باقاعدہ موضوع تحقیق بنایا گیا ہے۔

برصغیر میں تجددپسندی۔ردعمل ومزاحمتی کوششیں:

انیسویں صدی مسلمانان ہند کے لیے بالخصوص بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ اس زمانے میں یہاں پر بیک وقت اسلامی ومغربی تہذیبوں یا جسے یوں بھی کہا جاتا ہے کہ توحید پرستانہ تہذیب اور ملحدانہ تہذیب کی کشمکش اپنے پورے عروج پر تھی کہ اس میں جدید وقدیم نظام ہائے فکر، نظام تعلیم، نظام تمدن ومعیشت باہم برسرپیکار تھے تو دوسری جانب اس نوآبادی میں انگریزوں نے اپنے استعماری عزائم کو پورا کرتے ہوئے استشراقی فکر کے جھنڈے تلے اپنی تہذیب وثقافت کی توسیع واشاعت کا کام شروع کردیا تھا۔اس سلسلے میں دنیا کے گوشے گوشے خصوصاً مغرب سے عیسائی پادری اپنی تبلیغی وتبشیری سرگرمیوں کے لیے ہندوستان کا رخ کررہے تھے۔ ان کا ایک طرف تو ہدف یہ تھا کہ عیسائیت کو ایک سچا مذہب قرار دے کر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو دائرہ عیسائیت میں لائیں تو دوسری طرف ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ وہ مسلمانوں کے عقائدہ کو متزلزل، شریعت اسلامی کے ماخذوں کے بارے میں متشکک اور بدگمان کریں تاکہ نئی نسل اپنی نظریاتی بنیادوں کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہو جائے اور ان کا رابطہ ان کے دین سے کٹ جائے اور وہ جدیدیت کی راہ پر گامزن ہو جائیں۔

"برصغیر میں اس تجددپسندی کی تحریک کے سرخیل سرسید احمد خان ہیں۔ انہوں نے اسلام کے

بنیادی عقائد اور مسلمہ حقیقتوں کے بارے میں ایسے نظریات پیش کیے جو اجماع امت کے خلاف ٹھہرے۔ اس کے بعد اس کام کا بیڑا اٹھانے کے لیے مختلف قسم کے لوگ سامنے آئے اور ایسے فتنوں کو جنم دیا کہ یہ امت مسلمہ کے لیے بہت بڑا سوال بن کر رہ گئے۔ آہستہ آہستہ تجد دپسندی کی تحریک میں وسعت پیدا ہوئی چلی گئی اور نام نہاد سکالروں نے ایسے ایسے نظریات اسلام کے بارے میں پیشے کیے جن کا دور دور سے اسلام کے ساتھ کوئی تعلق دکھائی نہیں دیتا۔

سر سید احمد خان کے بعد عبد اللہ چکڑالوی، احمد امر تسری، نیاز فتح پوری، حافظ اسلم جیراج پوری اور غلام احمد پرویز بٹالوی کا نام قابل ذکر ہے۔[16]

گویا سر سید کے بعد ان کے کئی ہم خیال مولوی غلام علی قصوری(م 1889)، مولوی چراغ علی(م1895) مولوی عبد اللہ چکڑالوی(م 1915)، خواجہ احمد دین امر تسری(م 1936)، نیاز فتح پوری(م1966) حافظ اسلم جیراج پوری(م 1955)، تمنا عمادی پھلواری(م 1972)، علامہ عنایت اللہ مشرقی(م 1964) غلام احمد پرویز(م 1985) اور دور حاضر میں جاوید احمد غامدی صاحب جیسے لوگوں نے مغربیت سے متاثر ہو کر قرآن وسنت میں ترمیم شروع کی۔ اور حدیث کو ماننے سے انکار کر دیا۔ سر سید نے جہاں بائبل کی تحریف لفظی کا انکار کیا وہاں یہ امر بھی واضح کیا کہ بائبل کے متن میں اگر کوئی لفظی تحریف یا تبدیلی واقعہ بھی ہوئی تو وہ محض سہواً ہوئی تھی۔[17] (یعنی کاتبین بائبل سے غلطی سے لفظی تبدیلی واقع ہوئی) نیز انہوں نے ہر چیز پر عقل کو فوقیت دی اور ان کے بعد آنے والے مذکورہ بالا متاخرین مسلمان نے بھی ان کی پیروی کی اور جہاں حدیث کو ماننے سے انکار کیا وہاں قرآن وسنت کی تاویل بھی کر دی۔ مثلاً غلام احمد پرویز جو اس بات کا دعویدار ہے کہ وہ اہل قرآن ہے۔ جیسا کہ وہ اپنی تفسیر میں اللہ اور رسول ﷺ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قرآن حکیم میں جہاں اللہ اور رسول ﷺ کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مرکز نظام حکومت ہے۔ اس لیے قرآن میں مرکز امت کو اللہ اور رسول ﷺ سے تعبیر کیا گیا ہے۔"[18]

پاکستان میں موجودہ دور کے متجددین میں جاوید غامدی صاحب کا نام قابل ذکر ہے ان کے نزدیک دین کے مآخذ چار ہیں:

1۔ دین فطرت کے بنیادی حقائق

2۔ سنت ابراہیمی

3۔ نبیوں کے صحائف

4۔ قرآن

غامدی صاحب کے نزدیک سب سے پہلا آخذ جس سے دین حاصل ہوتا ہے وہ فطرت انسانی ہے۔ اور یہی ماخذ ان کے نزدیک اصل الاصول یعنی باقی تمام آخذ کی بنیاد بھی ہے۔

دین کا دوسرا ماخذ ان کے نزدیک نبیوں کی سنت ہے یعنی ایسے اعمال جن پر تمام انبیاء عمل کرتے ہیں۔ چونکہ یہ اعمال حضرت ابراہیم کی زندگی میں آکر ایک واضح شکل اختیار کر گئے تھے اس لیے اب ان اعمال کی نسبت پچھلے انبیاء کی بجائے حضرت ابراہیم کی طرف ہو گی۔

تیسرا ماخذ ان کے نزدیک نبیوں کے صحائف یعنی تورات، انجیل، زبور، وغیرہ ہیں۔ دین کا چوتھا اور آخری ماخذ ان کے نزدیک قرآن مجید ہے۔ اسی لیے وہ قرآن کو دین کی آخری کتاب کہتے ہیں یعنی دین تو پہلے سے چلا آرہا ہے اور قرآن نے آکر اس کی تکمیل کی ہے۔

باقی جہاں تک حدیث رسول اللہ ﷺ یا اجماع امت کا معاملہ ہے، اس کو غامدی صاحب دین کا کوئی مستقل آخذ نہیں مانتے۔ لہذا غامدی صاحب کے اصل اصول چار ہی ہیں۔ جن پر ان کی پوری فکر استوار ہے۔ سید منظور الحسن، جاوید غامدی صاحب کے ادارے میں ریسرچر ہیں اور ماہنامہ 'اشراق' کے مدیر بھی، وہ 'سنت اور حدیث' کی جانب جناب جاوید غامدی صاحب کے نقطہ نظر کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "غامدی صاحب اپنی کتاب 'میزان' کے مقدمے 'اصول ومبادی' میں 'مبادی تدبر قرآن' کے تحت قرآن کے اصول بیان کرتے ہوئے " دین کی آخری کتاب" کے زیر عنوان یہ واضح کرتے ہیں کہ قرآن جس دین کو پیش کرتا ہے تاریخی طور پر وہ اس کی پہلی نہیں بلکہ آخری کتاب ہے۔ دین فطرت، ملت ابراہیمی کی روایت اور نبیوں کے صحائف تاریخی لحاظ سے اس سے مقدم ہیں۔"[19]

غامدی صاحب نے اپنی کتاب 'میزان' میں 'مبادی تدبر سنت' کے زیر عنوان سنت کی تعیین اور ان کی نوعیت کے بارے میں خود ساختہ اصول متعین کیے۔ جو اصل دین کے منافی ہیں۔[20]

اس نے سنت، حدیث، قرءات قرآن، جہاد، رجم کی سزا، پردہ، دیت، مرتد کی سزا، مسئلہ وراثت، داڑھی، نظریہ فطرت پر عجیب وغریب نظریات پیش کیے۔

برصغیر میں رد عمل ومزاحمتی کوششوں کا جائزہ:

برصغیر میں استشراقی حکمت عملی اور فروغ عیسائیت کے خلاف جو رد عمل ہوا وہ دو طرح کا تھا۔

1۔دفاعی رد عمل 2۔اقدامی رد عمل ومزحمتی کوشش

1۔دفاعی رد عمل:

دفاعی رد عمل کا جہاں تک تعلق ہے کہ اس میں سر سید احمد خان، سید امیر علی، مولوی چراغ علی، مرزا غلام احمد قادیانی کی کاوشیں سر فہرست ہیں۔ ان افراد نے دین اسلام کی جدید عقلی تعبیرات کیں۔ معجزات کا کہیں تو کلیتاً انکار کیا اور کہیں ان کی حیثیت اور ہیت کو تبدیل کر کے پیش کیا۔ نہ صرف یہ بلکہ جدید علم الکلام کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کافی حد تک معتزلہ کے افکار ونظریات کو پروان چڑھایا اور حدیث کو ماننے سے بھی انکار کیا۔ وہ مستشرقین کی جانب سے کیے گئے حملوں کا جواب مدافعانہ انداز میں دیتے ہوئے اسلام کو ایک ایسا نظریہ اور ایک ایسا نظام بنا کر پیش کرتے جو مغرب کے لیے زیادہ سے زیادہ قابل قبول ہو۔ ان افراد نے اسلام کی صحیح روح کو مسخ کر کے جو تصویر دنیا کے سامنے پیش کی وہ ایسی تصویر تھی جو اہل مغرب دیکھنا چاہتے تھے اور اس کو اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ ان کی کاوشوں کی وجہ سے اسلام کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا۔ لہذا یہ رد عمل جو دفاعی رد عمل تھا۔ مسلمانوں کے لیے بہت زیادہ مضر ثابت ہوا جبکہ اہل مغرب کے لیے یہ بات بہت خوش کن تھی اور اس سے انہوں نے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا۔

2۔اقدامی رد عمل اور مزاحمتی کوششیں:

برصغیر انیسویں صدی میں تاریخ کے جس نازک ترین دور سے گزر رہا تھا۔ اس دور میں ایک طرف تو خطرہ ان مستشرقین اور عیسائی مبلغین سے تھا جو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر اعتراضات کرتے ہوئے عوام الناس کو ان کے عقائد کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار کرتے ہوئے ان کے ایمان کو متزلزل کرنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ اور دوسری طرف عیسائی مبلغین فروغ عیسائیت کے لیے مسلمانوں کے ہمدرد اور خیر خواہ اور انسانیت کے نجات دہندہ کا روپ دھار کر عیسائیت کے فروغ کا کام کر رہے تھے۔ یہ صورت حال مسلمانوں علما کے لیے پریشان کن تھی ہی لیکن دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ افراد اور وہ افراد جو غیر مسلموں کے عائد کردہ الزامات کے جوابات دے کر اپنی طرف سے تو

اسلام کی خدمت سرانجام دے رہے تھے لیکن انہوں نے جو طریقہ کار اختیار کیا تھا یعنی دفاعی اور اسلام کی وہی تصویر کشی کا جو مغرب کے لیے قابل قبول ہو تو یہ صورت حال مسلمانوں کے لیے زیادہ خطرناک تھی کیونکہ ان لوگوں کا اثر مسلمانوں کے طبقے پر کافی گہرا تھا جبکہ عیسائیوں کی مناظرانہ سرگرمیاں بھی جاری تھیں اس پس منظر میں جو رد عمل برصغیر میں پیدا ہوا اسے ہم اقدامی یا مزاحمتی رد عمل کہتے ہیں۔ اس رد عمل کے طور پر مسلمان علمانے مسیحیت سے بحث و مناظرہ، علمی مذاکرہ و مباحثہ اور قرآن و بائبل کا تقابل پیش کیا۔ اور اسلام اور پیغمبر اسلام کی حقانیت و صداقت ثابت کی۔

سید آل حسن موہانی:

آپ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے مسیحی مشنریوں کی سرگرمیوں کا علمی نوٹس لیا اور اناجیل کا نہایت بالغ نظر علمی محاسبہ کیا، آپ کی تصنیفات میں 'کتاب الاستفسار' اور کتاب الاستبشار' دو ضخیم کتابیں ہیں۔ یہ عیسائیت پر نہایت بلند پایہ علمی سرمایہ ہیں اور یہ بعد میں عیسائیت پر لکھی جانے والی اسلامی کتابوں میں متن کی حیثیت رکھتی ہیں۔ 'کتاب الاستبشار' آپ نے پادری فانڈر کی کتاب' حل الاشکال' کے جواب میں لکھی۔ مولانا آل حسن موہانی نے برصغیر پاک وہند میں کمال جرأت کا مظاہرہ کیا اور اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسلام اور نبی ﷺ کی حقانیت کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہوئے گئے۔ مولانا آل حسن موہانی نے عیسائیت کے رد میں اپنے خلوص و وفا کا یہاں تک دعویٰ کیا کہ اپنی جان تک کو آزمائش پر لگا دیا اور عیسائیوں کو بشارت محمدی ﷺ پر مباہلہ کی دعوت دی۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی:

سید آل حسن موہانی کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی اس میدان میں نکلے۔ آپ نے کیا میدان تصنیف اور کیا میدان مناظرہ ہر باب میں اسلام کا پورا دفاع کیا اور عیسائیت پر وہ حجت تمام کی کہ تاریخ انہیں اس باب میں امام کا مقام دیتی ہے۔ مولانا عیسائیت کے مذہبی ادب اور تاریخ سے پوری طرح آگاہ ہو کر اس میدان میں اترے اور بلند پایہ تصنیفات تالیف کیں۔ آپ کی بلند پایہ تصانیف میں سے کچھ یہ ہیں:

1۔ اعجاز عیسوی

2۔ ازالۃ الشکوک

3۔ ازالۃ الاوہام

4۔ اظہار الحق

عنایت رسول عباسی چریاکوٹی:

آپ نے عیسائیت کے رد میں ایک کتاب تحریر کی اور اس کا نام 'بشریٰ' رکھا۔ اس کتاب میں عیسائی عقائد کا رد کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر انہی کتابوں کے حوالے سے اعتراضات بھی کیے گئے ہیں۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری:

قاضی محمد سلیمان منصور پوی کی ہستی پر مسلمانان ہند جس قدر بھی فخر اور ناز کریں، وہ بجا ہے۔ قاضی صاحب سے چھوٹی بڑی 23 کتابیں، متعدد مقالات، خطبات اور مکتوبات یادگار ہیں۔ موضوع کی مناسبت سے دیکھا جائے تو مطالعہ بین المذاہب ان کی توجہ کا خاص مرکز رہا۔ اس سلسلے میں ان سے مندرجہ ذیل پانچ مختصر تحریری یادگاریں منسوب ہیں:

1۔ استقامت　　2۔ برہان　　3۔ انجیلوں کا بیٹا

4۔ ایک عرض کا جواب　　5۔ ہستی باری تعالیٰ پر ایک دلیل

قاضی صاحب کو سیرۃ النبی ﷺ سے خاص لگاؤ تھا۔ سیرت النبی ﷺ پر آپ نے ایک مختصر رسالہ 'مہر نبوۃ' تحریر کیا۔ اس کے بعد آپ نے سیرت پر جامع کتاب 'رحمۃ للعالمین' لکھی۔ رحمۃ للعالمین تقابلی انداز میں لکھی گئی سیرت کی کتاب ہے اس میں سیرت کے واقعات کے بیان میں قرآن وحدیث کی تائید کے ساتھ ساتھ بائبل سے تقابل بھی کیا گیا ہے۔ رحمۃ للعالمین دراصل 'مطالعہ بین المذاہب' کے عنوان سے لبریز ہے۔ اور اپنی اہمیت وافادیت کے پیش نظر تسلسل وتواتر سے شائع ہو رہی ہے۔

ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی:

محترم عالم فقیہ عبد الحق بن محمد امیر حنفی دہلوی جو مشہور بھی ہیں۔ تقابل ادیان کے سلسلہ میں آپ کی سب سے پہلی اور مایہ ناز کتاب 'فتح المنان' اور زبان میں تفسیر القرآن ہے جو کئی جلدوں میں ہے اور تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے۔

مولانا عبد الماجد دریابادی:

بر صغیر کے بڑے جید علما میں مولانا عبد الماجد دریابادی صاحب کا نام بھی سر فہرست ہے۔ آپ کے سیرتی مقالات پر مشتمل کتاب 'سلطان ما محمد ﷺ' ہے۔اس کے علاوہ آپ کا بڑا کارنامہ 'تفسیر القرآن' ہے۔جو 'تفسیر ماجدی' کے نام سے جانی جاتی ہے۔اس تفسیر میں مولانا نے روایات بائبل سے استدلال کرتے ہوئے عیسائیت کے باطل عقائد کا رد پیش کیا ہے۔

ان علما کے براہ راست جب بائبل سے استدلال پیش کر کے مناظرانہ طرز پر مغربی مفکرین کا انداز فکر اور ان کی تردید کی تو دور جدید کے دیگر علما جو بائبل سے استفادہ کرنے میں ہچکچاہٹ کر محسوس کر رہے تھے انہوں نے بھی بائبل سے براہ راست استفادہ شروع کیا اور معاندین اسلام کا دندان شکن جواب دیا۔

مناظرات کا آغاز:

بر صغیر پاک وہند میں جہاں اردو کتب سیرت میں بائبل سے اخذ واستفادہ کے رجحان نے دینی ادب اور عموعی علمی دنیا پر اثرات مرتب کیے۔وہاں اس رواج کا ایک یہ اثر بھی ہوا کہ مسلمان علما نے یہود ونصاریٰ کے ساتھ براہ راست مناظرے بھی شروع کیے۔اس سلسلہ میں اسلام کا ایک درخشاں ستارہ ڈاکٹر احمد حسن دیدات ہیں- آپ 1918ء میں بھارت کے شہر 'سورت' میں پیدا ہوئے۔احمد حسن دیدات نے اسلام کی عظمت کو دل کی گہرائیوں سے دنیا تک پہنچانے کے لیے بائبل کا تفصیلی مطالعہ کیا اور آپ کا یہ رجحان رحمت اللہ کیرانوی صاحب کی کتاب 'اظہار الحق' سے متاثر ہو کر بنا۔ آپ نے عیسائی پادریوں سے ٹھوس دلائل کے ساتھ مناظرے شروع کیے۔احمد حسن دیدات صاحب نے جنوبی افریقہ میں AL Salaam کے نام سے ایک ادارہ بنایا اور جس سے اسلامی تعلیمات پر مبلغ اور مناظر تیار کیے جاتے۔انہوں نے اپنے لیکچر ز پر کئی کتب بھی شائع کیں۔اور آپ کی انتھک کوششوں کی وجہ سے ہزاروں عیسائیوں اور یہودیوں نے اسلام قبول کیا۔انہی مسلسل کامیابیوں کے سلسلہ میں 1982ء میں انہیں 'شاہ فیصل عالمی ایوارڈ' دیا گیا۔جو ان کی کامیابیوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ [21]

انہیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آج میں بھارتی عالم ڈاکٹر ذاکر نائیک اور ان جیسے دیگر علما یہود ونصاریٰ سے اسلام کی حقانیت کے ثبوت کے لیے مناظرے ومکالمے کرتے نظر آتے ہیں اور آج انہیں میڈیا بھی پر موٹ کر رہا ہے اور ان مناظرین کی بدولت بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے

ہیں۔

مکالمہ بین المذاہب پر اثرات:

عہد حاضر میں جغرافیائی دوریاں بات کر ایک گلوبل ویلج بن چکی ہے۔اس مخلوط آبادی میں مذہبی عقائد،مادی افکار و نظریات و معاشرت، زبان، نسل و دیگر اختلافات کا دور دورہ ہے۔ان اختلافات کی موجودگی میں عالمگیریت کی وحدت ایک تکثیری سماج Plural Society کی تصویر پیش کرتی ہے اس Globalization میں مکالمہ بین المذاہب کی خاص اہمیت ہے۔ جس میں مذہی اختلافات کی بنیاد پر قائم معاشرتی دوریوں کی خلیج کو باٹنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ آج کی گلوبل دنیامیں مکالمہ بین المذاہب کانعرہ مغربی دنیاکی طرف سامنے آیاہے۔ایک رائے کے مطابق:

"بین المذاہب مکالمہ سے مراد دیگر عقائد رکھنے والے افراد کے ساتھ ایک خوشگوار ماحول میں گفت وشنید اور ایسی وضاحتیں ہیں جو انسانوں کو عقائد کی بناپر دور کرنے کی بجائے قریب ترلاتی ہیں۔اس سارے طرز عمل میں بنیادی طور پر انسانی اقدار پیش نظر ہوتی ہیں۔" (22)

اسی کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"بین المذاہب مکالمہ، دراصل لوگوں کا دوسروں کے مختلف فیہ عقائد پر تنقید کرنا نہیں ہے بلکہ دوسروں کے عقائد کا احترام کرنے کی تربیت کرناہے اور دوسروں کی سچائی کو اس حوالے سے ہی جاننے کا درس دیتاہے اس کے علاوہ دوسرے تمام مذاہب کے لوگوں کو ایک ہی خدا کی مخلوق جان کر آزادانہ زندگی گزرانے کاسلیقہ فراہم کرتاہے اور تمام انسانوں کے صنفی، مذہبی، ثقافتی اختلافات کو قبول کرنے،ان سب کی فلاح کے لئے باہم مل کر کام کرنے کی ترغیب دینے کانام مکالمہ ہے۔" (23)

موجودہ بین المذاہب مکالمہ کابنیادی نقطہ یہ ہے کہ مکالمہ میں عقائد کوزیر بحث لائے بغیر مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان مشترکہ امور کو سامنے لانے کے اور سماجی ومعاشرتی امن وسکون کی فضا قائم کرنے کے لئے مکالمہ کیاجائے۔

مکالمہ بین المذاہب کی سوچ کا آغاز:

بین المذاہب مکالمہ کی موجودہ سوچ کا آغاز بیسویں صدی کے اوائل میں سامی مذاہب کے پیروکاروں کے مابین مکالمہ سے ہوا۔ اس تحریک کا اہم موڑ 1965ء میں سامنے آیا۔ بین المذاہب مکالمہ کی موجودہ اپروچ ویٹی کن کونسل دوم(1962۔ 1965ء) کے اعلامیہ (Nostra aetate) سے سامنے آتی ہے۔ جس میں کہا گیا:

"زمانہ حال میں جب کہ انسانوں کے باہمی تعلقات دن بدن بڑھ رہے ہیں اور مختلف اقوام کے روابط استوار ہو رہے ہیں، کلیسا خاص نقطہ نظر سے غیر مسیحی مذاہب کے ساتھ اپنے تعلقات کا جائزہ لیتے ہوئے موجودہ اعلان میں سب سے پہلے اس بات پر غور کرتی ہے کہ انسانوں میں کون سی چیزیں مشترک ہیں اور ان کو برادری کے رشتے میں متحد کرنے کے قابل ہوں گی۔" [24]

چنانچہ اس اعلامیہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پوپ پال ششم نے 19 مئی 1965ء کو ویٹی کن میں سیکرٹریٹ تعلقات غیر مسیحی مذاہب قائم کیا۔ جس کا 8 جون 1988ء میں نام بدل 'پاپائی مجلس بین المذاہب' رکھ دیا گیا۔ اس مجلس کے تحت 1974ء میں اسلام کے ساتھ رابطہ کا ایک کمیشن قائم کر دیا گیا۔ [25]

بین المذاہب مکالمہ کی بنیاد پر ہی اب ہر سال فروری کا پہلا ہفتہ بین المذاہب ہم آہنگی کا ہفتہ منایا جاتا ہے۔

آج مکالمہ بین المذاہب کا مقصد سماجی ہم آہنگی اور معاشرتی رواداری ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ اسلام کے نظریہ مکالمہ بین المذاہب و مقاصد کی تہذیبی تاریخ سے صرف نظر کر کے مغرب اس وقت تک مسلمانوں کو جدید اور روشن خیال تصور کرنے پر تیار نہیں جب تک کہ وہ مذہب کے بارے میں جدیدیت کا مغربی اصول نہیں اپنا لیتے۔ قرآن میں ان کے اس رویہ کے بارے میں یوں ارشاد ہے:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ﴾ [26]

"یہود اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔"

آج عالمی مذاہب میں وحدتوں کی تلاش کی ضرورت ہے اور ان مماثلتوں کے نتیجے میں ایک دوسرے کے قریب ہونا چاہیے نہ کہ تمام مذاہب کی اچھائیوں پر مبنی ایک نئے مذہب کی تشکیل کا کام کرنا

چاہیے اور اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ عادلانہ رویوں کے فروغ کے لیے بین الاقوامی کوششیں کی جائیں جو تعصب سے بالاتر ہوں اور اسلام کی تعلیمات کا تمام تر شکوک و شبہات متعصبات سے کنارہ کش ہو کر جائزہ لیا جائے نہ کہ جو مغرب کا رویہ ہے غیر منصفانہ اور غیر معقول اس بنیاد پر مکالمہ بین المذاہب کو فروغ دیا جائے۔ اس رویے کا بڑا ہی مثبت جواب ڈاکٹر ذاکر نائیک نے دیا ہے:

"اسلام کی بنیادی باتوں میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں ہے جو مجموعی طور پر نوع انسانی کے مفاد کے خلاف ہو۔ بہت سے لوگ اسلام کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی کئی تعلیمات غیر منصفانہ اور غیر معقول ہیں اس کی وجہ سے اسلام کے بارے میں ان کی ناکافی اور غلط معلومات ہیں اگر اسلامی تعلیمات کا کھلے ذہن سے تنقیدی تجزیہ کیا جائے تو اس حقیقت سے فرار ممکن ہی نہیں رہتا کہ اسلام در حقیقت اجتماعی و انفرادی دونوں اعتبار سے نوع انسانی کے لیے فائدوں سے بھرپور ہے۔" (27)

دور جدید میں بین المذاہب ہم آہنگی اور یگانگت کا فروغ اس لیے ضروری ہے کہ دنیا اس وقت ایک عالمی بستی کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ یہ دور تخصص اور مہارت کا دور ہے، ہر شخص اور ہر قوم کے بس میں نہیں کہ تمام علوم میں مہارت حاصل کر سکے اس لیے دیگر اقوام و ملل سے علمی میدان میں استفادہ ناگزیر ہے۔ منصور علی خان لکھتے ہیں:

"جہاں اللہ رب العزت نے مسلمانوں پر باہمی بحث اور تعاون کرنے کے لیے احکام صادر فرمائے ہیں وہاں غیر مذاہب لوگوں کے ساتھ امن و امان کے ساتھ رہنے کی تلقین بھی فرمائی لہذا عالمی امن او استحکام کی خاطر مسلمانوں کو عیسائیوں، یہودیوں اور دنیا کی دیگر اقوام سے رابطہ قائم کرنا چاہیے اور اسلام کا اصل پیغام پہنچانا چاہیے، جو محبت، سلامتی، یکجہتی، برداشت اور صبر پر مشتمل ہے۔ اسے اقوام عالم تک پہنچانا چاہیے جو کہ امت مسلمہ کا فرض عین ہے۔" (28)

بیان سیرت میں بائبل سے استفادہ کے اثرات کے تناظر میں دیکھا جائے تو مکالمہ بین المذاہب کے خوش نما سلوگن سے جہاں کچھ متجددین متاثر ہوئے وہاں بہت سے علما نے مکالمہ بین المذاہب کے سلسلہ میں اسلام کے متعلق معذرت خواہانہ رویہ ترک کیا۔ مکالمہ کی اپروچ کا عمیق مطالعہ کر کے شکوک و شبہات کا لبادہ اتار پھینکا۔ نیز مکالمہ کے ذریعے عالمی مذاہب میں وحدتوں کو تلاش کیا جا رہا ہے اور

مماثلتوں کے نتیجے میں ایک دوسرے کے قریب آنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

مسلمان علما مکالمہ بین المذاہب کے ذریعے صحیح الفکری کو فروغ دینے کی بھرپور کوشش کررہے ہیں اور اسلام کی وہ صورت اقوام عالم کے سامنے پیش کررہے ہیں جو دین الٰہی کی شان ہے۔

علمائے اسلام ڈاکٹر احمد حسن دیدات، ڈاکٹر ذاکر نائیک اور ان جیسے دیگر مناظرین نہایت بیدار مغزی اور دانش مندی کے ساتھ نظریات باطلہ کی تردید کرتے ہوئے اسلام کی حقانیت ادیان عالم پر واضح کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ یہ لوگ مظاہر فطرت اور بائبل سے براہ راست استدلال کرکے دیگر یہودیت اور مسیحیت سے مکالمہ کررہے ہیں۔ مکالمہ بین المذاہب کے سلسلہ میں جہاں جامعات اور نشرو اشاعت کے ادارے ایک کردار ادا کررہے ہیں وہاں برقی میڈیا بھی اس سلسلہ میں مثبت کردار ادا کرتا نظر آتا ہے۔ بعض ٹی۔وی چینلز صرف مکالماتی اور مناظراتی پروگرامز کی نشریات کے لیے مختص ہیں۔ اس سارے تناظرے میں جہاں بین الاقوامی ہم آہنگی فروغ پارہی ہے وہاں روز بروز نو مسلموں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ بین الاقوامی پلیٹ فارم پر اسلام کی صداقت پیش کرنے اور دیگر مذاہب پر اسلام کی برتری ثابت کرنے کا یہ نہایت مؤثر اقدام ہے۔

سیرت نگاری میں بائبل سے اخذ واستفادہ کے اسلوب کو اپنانے سے نہ صرف ہم دین اسلام کی حقانیت وکاملیت کو مذاہب عالم اور اقوام عالم پر واضح کرسکتے ہیں بلکہ پیغمبر اسلام سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ کو اپنے اوصاف وکمالات میں دیگر انبیاء پر جو فوقیت وبرتری حاصل ہے۔ ان تمام وجوہ و اسباب کا مدلل جواب دے کر ہر ایسے معترض کو جو اسلام اور پیغمبر اسلام پر کسی بھی پہلو سے ہرزہ سرائی کرتا ہے اس کا مدلل جواب انہی کے ماخذ ومصادر کی روشنی میں دے کر حجت قائم کرسکتے ہیں۔ بے شک ہدایت توفیق الٰہی سے ہی ہے۔ وماتوفیقي إلا باللہ ۔ نیز تعرف الأشیاء علی أضدادھا۔ یوں جب ہم اپنے عقائد ومعاملات، اخلاقیات، معاشرت، تہذیب وتمدن کا مقابلہ دیگر مذاہب سے کرتے ہیں تو دین اسلام کا دین فطرت ہونا اور اس کی حقانیت اظہر من الشمس ہوجاتی ہے۔ لہٰذا سیرت نگاری کے اس پہلو کے ہمہ جہت اثرات مرتب ہوئے اور عصر حاضر میں جس تقابلی انداز مطالعہ کی روایت فروغ پارہی ہے تو وہ اسی رجحان واسلوب کے ہی اثرات ہیں۔ اور یہ رجحان مرور زمانہ کے ساتھ مزید تقویت پارہا ہے۔ امید ہے بہت سے گم گشتہ راہوں کو اسی طرح راہ ہدایت میسر آجائے اور وہ گوہر مقصود حاصل ہوجائے جو ہر اہل ایمان کا نصب العین ہے۔ یعنی فادخلي في عبادي وادخلي جنتي [(29)] اور ہم سب رضي اللہ عنھم و

رضواعنہ (30) کا مصداق ٹھہریں۔ آمین یارب العالمین

حوالہ جات وحواشی

(1) کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، سیرت المصطفیٰ ﷺ ، مکتبہ عثمانیہ، لاہور، 1979ء، 130/1

(2) سیالوی، محمد اشرف، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین ﷺ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 1988ء، ص15-16

(3) ثانی، صلاح الدین، ڈاکٹر، اصول سیرت نگاری، مکتبہ یادگار، شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی، ۲۰۰۳: ص342-343

(4) استثناء باب 18، آیت 15

(5) انجیل متی باب 4 آیت 23

(6) انجیل یوحنا باب 16 آیت 7-8

(7) الصف: 6

(8) منصور پوری، قاضی، رحمۃ للعالمین ﷺ ، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، س ن، 2/32-43

(9) طٰہٰ: 115

(10) الصف: 6

(11) طٰہٰ: 122

(12) البقرۃ: 37

(13) کتاب پیدائش باب 5 آیت 1

(14) رحمۃ للعالمین ﷺ: 2/235-255

(15) احمد خان، سرسید، سیرت النبی ﷺ (خطبات احمدیہ) شفیع سجاد آرٹ پریس، لاہور، 1988ء، ص15-25؛ ضیاء النبی ﷺ: 7/402-407

(16) چوہدری، عطاء اللہ، روح سرسید پیکر پرویز میں، (ماہنامہ) طلوع اسلام، نومبر 1972، ج:25 ش:11، ص:15

(17) سیرت النبی ﷺ (المعروف بہ خطبات احمدیہ): ص 45

(18) پرویز، غلام احمد، معارف القرآن، نئی دہلی، 37۔ ترکمان روڈ، س۔ن: 4/632

[19]ماہنامہ االشریعہ،اکتوبر 2088،ج:19،ش:10ص:37

[20]غامدی صاحب کے وضع کردہ اصولوں کی تفصیلات کے لیے دیکھیے۔غامدی،جاوید احمد'میزان' المورد، لاہور2006: 2/13۔14

[21]ماہنامہ الدعوۃ،مرکزالدعوۃوالارشاد،لاہور مارچ 1997ء،ج8،ش3: ص16

[22]محبوب صدا، مکالمہ امن، کرسچن سٹڈی سنٹر،روالپنڈی، 2006ء: 1/83

[23]عظمٰی،طاہر،مکالمہ امن: 1/12

[24]ویٹی کن مجلس دوم،(مترجم حمید سنہری) مکتبہ عنادیم پاکستان 2003ء: ص560

[25]عبدالرؤف ظفر، عصر رواں سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں، مکتبہ قدوسیہ،لاہور، 2012ء: ص351۔352

[26]البقرۃ: 120

[27]ذاکرنائیک،ڈاکٹر،مذاہب عالم میں تصور خدااور اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے 20سوال،النوادر، اردو بازار لاہور، س ن: ص82

[28]ترمذی، خالد محمود، تقدیر امم، امہ پبلی کیشنز،لاہور، 2006ء:ص56

[29]الفجر: 29۔30

[30]البینۃ: 8